اعجاز چشتی

دیکھا تقریر کی لذّت

سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے میری پہلی ملاقات قیام پاکستان کے بعد ۱۹۴۹ء میں راولپنڈی مدرسہ تعلیم القرآن کے سالانہ جلسہ کے موقع پر ہوئی۔ شاہ جی نے کمپنی باغ میں ایک بڑے اجتماع کو خطاب کیا۔ میں اس وقت گارڈن کالج راولپنڈی کا طالب علم تھا۔ تحریک پاکستان سے وابستگی کی وجہ سے چند ساتھیوں کے ہمراہ ایک مخصوص متعصبانہ نکتہ نگاہ کے ساتھ جلسہ گاہ میں پہنچا۔ شاہ جی نے تلاوت قرآن پاک سے تقریر کا آغاز کیا۔ شاہ جی قرآن پڑھ رہے تھے، تو شورش کاشمیری کے "بوئے گل"، کے الفاظ پر یقین آیا۔

"شاہ جی کا موضوع تھا دینی مدارس اور انکی خدمات"، پہلی بار مجھے ان دینی مدارس اور علماء کی خدمات کا صحیح شعور پیدا ہوا، تقریر میں وہ جادو تھا کہ میں مسحور ہو کر رہ گیا۔ دوسری صبح شاہ جی کی خدمت میں حاضر ہوا، موضوعِ سخن کے لئے میں نے جرأت کرتے ہوئے علامہ اقبال کا یہ شعر پڑھا۔

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

شاہ جی نے اس پر سیر حاصل تبصرہ کیا۔ دین و سیاست کی جدائی کا ذکر تاریخی واقعات کی روشنی میں اس طرح کیا کہ خلافت راشدہ سے سقوط بغداد کی پوری تاریخ کا نقشہ آنکھوں کے سامنے کھنچ گیا۔ علامہ اقبال سے اپنی ملاقاتوں کا ذکر کیا۔ حاضرین مجلس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میں سوچ رہا تھا کہ یہ بوڑھا انسان اپنے خدا کے کس قدر قریب ہے؟ اور اپنے نانا کا کس قدر وجیہ حلقہ بگوش ہے۔ کہنے لگے بھائی میں نے کتابیں نہیں پڑھیں انسانوں کو پڑھا ہے۔ میں مولانا سید انور شاہ، مولانا حسین احمد مدنی، حکیم محمد اجمل، مولانا محمد علی جوہر، ابوالکلام آزاد کے قافلہ سے بچھڑ ہوا ایک راہی ہوں۔ جو اس بڑھاپے میں بھی منزل مقصود کی طرف چلا جا رہا ہوں۔ سب ساتھی ایک ایک کر کے چھوٹ گئے۔

۱۹۵۱ء میں احرار دفاع کانفرنس اوکاڑہ میں مولانا محمد علی جالندھری کی دعوت پر شریک ہوا۔ آخری اجلاس جس کو شاہ جی نے خطاب کرنا تھا۔ مولانا محمد علی جالندھری کے حکم سے مجھے بھی تقریر کرنا پڑی۔ شاہ جی کی عظمت اور ان کی شخصیت کا رعب سامنے تھا۔ عرض کیا کہ شاہ صاحب کی موجودگی میں میرے لئے تقریر کرنا مشکل ہے۔

شاہ جی نے فرمایا۔

"بھائی میری عظمت یہ نہیں کہ اپنے بھائیوں میں خوف و ہراس پیدا کروں، میری موجودگی نے بہروں کو کان دیئے۔ گونگوں کو قوت گویائی بخشی، لنگڑوں کو چلنا سکھا دیا۔ میں باعث زحمت نہیں، باعث

رحمت بنا ہوں۔ تم تقریر کرو، میں سنوں گا۔

شاہ جی کے ان الفاظ نے قوت بخشی، میں نے تقریر کا آغاز کیا۔ اس سے پہلے بارہا میں بڑے بڑے مجمعوں کو خطاب کر چکا تھا۔ گورو داسپور اور دنیا نگر کے درودیوار آج تک گواہ ہیں کہ اس پندرہ سالہ مقرر نے دوستوں اور دشمنوں سے اپنی خطابت کی داد لی۔ لیکن اوکاڑہ کے جلسہ کی تقریر..... رک رک کر، ٹھہر ٹھہر کر، صحت الفاظ کا خیال رکھتے ہوئے جاری رکھی جب میں اس مقام پر پہنچا کہ۔ ؟؟؟

"یہ ملک اسلام کے لئے حاصل کیا گیا ہے، یہاں اسلام ہی ہمارا ضابطہ حیات ہوگا۔ اور اسلام ہی کے لئے اس ملک کا تحفظ کرنا ہے"

دین ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت
ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارہ

شاہ جی نے تقریر کی خوب داد دی۔ جنہوں نے شاہ جی کو کبھی داد دیتے دیکھا ہے وہی اس کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ ان کی اس حوصلہ افزائی کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں اکثر کانفرنسوں میں شاہ جی کے ساتھ شریک ہوا اور خطاب کرنے کی سعادت حاصل کی۔ آج میں جب سوچتا ہوں کہ شاہ جی ایسا عظیم خطیب اور مجھ ایسے نو آموز مقرر کی تعریف، تو صحیح معنوں میں ان کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ میرے متعلق اکثر فرماتے کہ۔

"وہ نوجوان جو جدید تعلیم سے آراستہ ہیں، اگر دین کی طرف آجائیں تو تبلیغ دین زیادہ موثر اور نتیجہ خیز ہو سکتی ہے۔ ہم مولویوں نے دین کو محفوظ رکھا کیا یہی کم ہے، اب تم لوگ اسے سنبھال لو اور دور دور تک پہنچا دو؟"

۱۹۵۳ء کے بعد ناگزیر وجوہات کی بنا پر شاہ جی سے ملاقات نہ کر سکا۔ وقفہ زیادہ ہو گیا۔ اس لئے جاتے ہوئے ڈرتا کہ شاہ جی ناراض ہوں گے، نہ ملنے کا کیا جواز پیش کروں گا۔ لیکن حافظ لدھیانوی جو اُن دنوں ملتان میں تھے سے معلوم ہوا کہ جب بھی میرا ذکر آیا۔ بڑے درد کے ساتھ فرماتے کہ۔

"اعجاز ایک عرصہ سے نہیں ملا۔ نہ جانے مجھ سے کیا خطا ہو گئی ہے؟"

میں شاہ جی کی خدمت سے میں حق نواز خاں قمر کی معیت میں حاضر خدمت ہوا۔ اس طرح پیش آئے جس طرح ایک حقیقی باپ اپنے گم شدہ بچے کو پا کر خوش ہوتا ہے۔ بہت دیر تک باتیں کرتے رہے لیکن ایک جملہ ایسا نہ کہا جس سے یہ ظاہر ہو کہ میں قصوروار ہوں۔ بار بار یہ مصرعے دہراتے رہے۔

مجھ کو تو تم پسند ہو، اپنی نظر کو کیا کروں

اور یہی کہتے رہے کہ بھائی اکثر سوچتا کہ مجھ سے کیا قصور ہوا جو تم ملاقات سے گئے..... یہ بات صرف میرے ساتھ ہی مخصوص نہ تھی، بلکہ ہر ملنے والے دوست کے ساتھ ان کا یہی حسن سلوک تھا۔ دوسری طرف استغناء کا یہ عالم کہ پاکستان کے ایک سابق صدر نے اپنے زمانہ صدارت میں بہت کوشش کی کہ کسی طرح شاہ جی

سے ملاقات کرے۔ لیکن شاہ جی اس کے پاس جانے کو تیار نہ ہوئے اور نہ اس بات پر ہی آمادہ ہوئے کہ وہ ان کے ہاں خود آ کر مل لے، فرماتے تھے۔

"مجھ فقیر سے صدر مملکت کا کیا کام ہے، اگر جماعتی بات ہے تو صدر مجلس سے کی جائے۔"

ایک دفعہ لائل پور سے چند مل والے شاہ جی سے ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ شاہ جی چند عام ساتھیوں سے محو گفتگو تھے۔ سلسلہ کلام جاری رہا۔ چند منٹ بعد ایک ساتھی نے کہا کہ شاہ جی یہ فلاں مل والے ہیں اور آپ سے ملنے آئے ہیں۔ "شاہ جی نے برجستہ فرمایا کہ۔

"بھائی کسی دل والے کی بات کرو، مل والے مجھ فقیر سے کیا لینے آتے ہیں۔"

شاہ جی بعض اوقات ایک ہی جملہ میں ایسا نکتہ بیان کر جاتے جو ہزاروں تحقیقی کتابوں پر حاوی ہوتا۔ "مل والے اور دل والے" اس ایک جملہ میں کیا کچھ نہیں کہہ گئے۔ اسی طرح ایک دفعہ قیام پاکستان سے قبل اسلامیہ کالج کے چند طلباء شاہ جی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ باتوں باتوں میں ڈاڑھی کا ذکر آ گیا۔ شاہ جی کڑ قسم کے مُلّا نہ تھے۔ ایک طالب علم نے کہا:

"شاہ جی آج کل کالجوں میں ڈاڑھی رکھنا مشکل ہے۔"

شاہ جی فرمانے لگے کہ

"ہاں بھائی! خالصہ کالج میں ڈاڑھی رکھنا آسان ہے اور اسلامیہ کالج میں مشکل ہے۔"

شاہ جی نے زندگی بھر کسی کی غیبت نہیں کی اور ان کا مسلک پردہ پوشی تھا۔

ایک بار شاہ جی سے ایک مشہور غزل گو شاعر عبدالحمید عدم جو اپنی شراب نوشی کے لئے مشہور ہیں، مل کر گئے تو حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ:

"شاہ جی آپ تو شرابیوں کو بھی منہ لگا لیتے ہیں۔"

شاہ جی فرمانے لگے کہ

"بھائی تم نے اسے شراب پیتے دیکھا ہے۔؟"

اس شخص نے کہا

"نہیں"

فرمانے لگے

پھر غیبت کیوں کرتے ہو؟"

ایک دوسرے صاحب درمیان میں بول اٹھے۔

"شاہ جی میں نے اسے شراب کے نشے میں بدمست دیکھا ہے۔

فرمانے لگے۔

"پھر پردہ پوشی سے کام لو۔"

ان کی باتیں دلوں میں اتر جاتیں۔ مولانا ظفر علی خاں نے کیا خوب کہا ہے۔

کانوں میں گونجتے ہیں بخاری کے زمزمے
بلبل چہک رہا ہے ریاض رسول میں

ہزار رحمتیں ہوں اس مرد درویش پر..... انکے اس طرز عمل سے بہتوں نے اصطلاح پائی اور دشمن دوست بن گئے۔

شاہ جی دین و سیاست کے علاوہ شعر و ادب سے بھی گہری دلچسپی رکھتے تھے شعر فہمی کا جو ملکہ انہیں حاصل تھا۔ وہ اکثر اہل فن کو بھی نصیب نہیں ہوتا۔ ایک عمدہ شعر ان پر کیف و سرور کی کیفیت طاری کر دیتا تھا۔ بقول حافظ لدھیانوی:

"شاہ جی شعر کی داد یوں دیتے تھے کہ آنکھوں کی بناوٹ اور ہونٹوں کی سجاوٹ شعر کے حسن کا پتہ دیتی تھی، شعر کے معنی انکے چہرے پر بکھر جاتے تھے"۔

مختلف مدرسہ ہائے فکر کے شعراء کا شاہ جی سے عمر بھر گہرا رابطہ رہا۔ اختر شیرانی، تاثیر، سالک، فیض، ساحر اور حافظ لدھیانوی انکی صحبت میں بیٹھنا سعادت خیال کرتے تھے۔ شعراء ان کی داد کو آج تک بطور سند پیش کرتے ہیں۔ شاہ جی خود شاعر تھے ان کے کلام کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔ شعراء کا کلام اپنی تقریروں میں اس طرح استعمال کرتے، گویا یہ اشعار انکی نوک زبان تھے۔

شاہ جی کے بدترین دشمنوں کو بھی اقرار ہے کہ وہ اپنے دور کے سب سے بڑے خطیب تھے۔ ایسی وہ نسل زندہ ہے جس نے شاہ جی کی خطابت کے کرشمے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ انکی خطابت کا موضوع آزادی، احیائے دین اور تحفظ ختم نبوت تھا، بولتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ شاہ جہاں کے ذہن میں تاج محل کا نقشہ مرتب ہو رہا ہے یا ابوالہول کی آواز اہرام مصر سے ٹکرا رہی ہے۔ انکی موجودگی میں کسی دوسرے مقرر کا چراغ نہیں جلا، خود مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا محمد علی جوہر ان کی عظمت کے معترف تھے۔ تقریر کرتے تو سارے مجمع پر چھا جاتے اور میر کے اس شعر کی مجسم تصویر بن جاتے۔

سارے عالم پر ہوں میں چھایا ہوا
مستند ہے میرا فرمایا ہوا